گیتا ــــ ایک تنقیدی مطالعہ

(جناب کوثر یزدانی صاحب)

جناب ونوبا بھاوے جی نے ۱۹۳۲ء میں گیتا پر تقریر کرتے ہوئے ایک بار کہا تھا:

"میرا جسم ماں کے دودھ سے جتنا پلا ہے اُس سے کہیں زیادہ میرا دل و دماغ گیتا کے دودھ سے پلا ہے۔"

اس قول سے خواہ کوئی متفق ہو یا نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج بھارت میں ایک بڑی اکثریت گیتا کو اسی نظر سے دیکھتی ہے۔ گیتا کی 'تلاوت' کو ایک مقدس کام، گیتا کے نظریات پر ایمان لانے کو ذریعۂ نجات اور اس پر عمل پیرا ہونے کو ایک بہترین کام تصور کرتی ہے۔

ایک ہندو مفکر رقم طراز ہے:

"گیتا تلاوت کرنے کے قابل ہے۔ یعنی شری گیتا جی کو اچھی طرح پڑھ کر مطلب اور مقصد کو دل میں بٹھا لینا فرضِ اولین ہے۔ جسے خود وشنو بھگوان نے اپنے متبرک مُنھ سے نکالا ہے۔"

نیز خود شری کرشن جی نے اس کی عظمت اور اہمیت کا تذکرہ گیتا کے آخری باب میں اس طرح کیا ہے: ــــ

"جو شخص مجھ سے بے لوث محبت کر کے اس عظیم رازدارانہ گیتا شاستر کو میرے بھگتوں میں کہے گا، یعنی بے غرض اور بے لوث محبت سے میرے بھگتوں کو پڑھائے گا یا مطالب کی تشریحات کے ذریعہ اس کی تبلیغ کرے گا، وہ بلاشبہ مجھ کو حاصل ہو گا۔"

"نہ تو اس سے بڑھ کر انسانوں میں میرا کوئی عزیز ترین فرد (ہو سکتا) ہے اور نہ تو اس سے

بڑھ کر اس دُنیا میں کوئی دوسرا ہوگا۔"

"اور اے ارجن! جو شخص ہم دونوں کے اس مذہبی بحث و مذاکرہ (یعنی) گیتا شاستر کو پڑھے گا" یعنی تلاوت کرے گا اس کو میں علم سے نوازوں گا" ایسا میرا خیال ہے۔"

(باب ۱۸: ۶۸ تا ۷۰)

گیتا کی اہمیت میں مزید اضافے کے لیے یہ واقعہ بھی درج کیا جاتا ہے کہ مہابھارت کی جنگ ختم ہونے کے بعد ایک بار شری کرشن اور ارجن آپس میں گفتگو کر رہے تھے، اُس وقت ارجن کو یہ خواہش ہوئی کہ شری کرشن سے ایک بار مزید گیتا سُنی جائے۔ فوراً ارجن نے درخواست کی:

"مہاراج! آپ نے جو اُپدیش مجھے جنگ کے آغاز میں دیے تھے، انھیں میں بھول گیا ہوں براہ کرم ایک بار اور بتلائیے۔"

تب شری کرشن نے جواب دیا: "اُس وقت میں نے جو اُپدیش دیے تھے وہ میرے دل کی آواز تھی۔ اب ممکن نہیں کہ ویسا ہی اُپدیش پھر دے سکوں۔"

(مہابھارت ۱۷، ۱۶: ۱۲۔۱۳)

اس واقعہ سے جہاں اور بہت سے نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہندو ذہن کس طرح شری کرشن کے دل کی آواز کی شکل میں گیتا کی اہمیت کو زیادہ محسوس کرتا ہے۔

اس کی اہمیت کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ہندو مذہب میں گیتا ہی ایک ایسی کتاب ہے جو تمام مذہبی کتب کا خلاصہ ہے۔ اور تمام فلسفے خواہ وہ وید سے ماخوذ ہوں یا شاستر یا کسی اور کتاب سے، اس میں بحسن و خوبی آگئے ہیں۔ جیسا کہ ایک سنسکرت کا مقولہ ہے جس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

"جتنے اپنشد ہیں وہ گویا گائے ہیں، شری کرشن جی دودھ دوہنے والے (گوالا) ہیں، ذی عقل ارجن اس گائے کے بچھڑے ہیں، اور جو دودھ دوہا گیا ہے وہ گیتا ہے۔"

لیکن یہ عظیم رازدارانہ' گیتا کیسے سمجھی جائے ؟ ہندو مفکرین نے اسے ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ بنادیا ہے کہ اگر "غیر عالم" اسے سمجھنے کی کوشش بھی کرے تو نہ سمجھ سکے گا۔ بقول تلک جی : "گیتا کے سمجھنے کے لیے کسی گرو' پنڈت یا آچاریہ کی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ گیتا خالص فلسفیانہ کتاب ہے' اور وہ بھی ایسا فلسفہ جو انسانی فہم سے ماوراء ہو۔ گیتا میں جو کچھ بھی نظریات پیش کیے گئے ہوں لیکن اس بات کے جاننے کی بہرحال ضرورت ہے کہ اس کا مرکزی موضوع کیا ہے اور گیتا ایک مقدس اور الہامی کتاب ہے' یا اس کی یہ حیثیت نہیں ہے۔

گیتا کی اصلیت

گیتا کو عظیم و مقدس ثابت کرنے کے لیے ہندو مذہب کے پیرو ایک ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ گیتا شری کرشن جی کی "مقدس زبان" سے نکلے ہوئے الفاظ کا مجموعہ ہے جو انھوں نے ارجن سے اپدیش کی شکل میں کہے تھے۔ اور چونکہ شری کرشن جی بھگوان کے اوتار ہیں' لہٰذا گیتا "بھگوان" کی کتاب ہوئی۔ اس کتاب کا مطالعہ کر کے جو شخص بھی نصیحتیں حاصل کرے گا وہ شری کرشن کا مکمل بھگت بنے گا۔ بلکہ ونوبا بھاوے جی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ گیتا سے لطف اندوز ہونے اور اس کی نصیحتوں کو اخذ کرنے کی وجہ سے ارجن میں کرشن کی واضح جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بیاس دیوجی بھی اس "رس" سے محظوظ ہوئے ہیں' اس لیے ان کو بھی شری کرشن کہا جاسکتا ہے۔ ان کے الفاظ درج ذیل ہیں :

> "یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ گیتا شری کرشن نے کہی ہے۔ اس اپدیش کو سننے والا بھگت ارجن اس تعلیم سے اتنا محظوظ ہوا کہ اسے بھی کرشن کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ بھگوان اور بھگت کی اس دلی آواز کو ظاہر کرتے ہوئے بیاس دیوجی اتنے لطف اندوز ہوئے کہ لوگ انھیں بھی "کرشن" نام سے یاد کرنے لگے' کہنے والا کرشن ــــ سننے والا کرشن ــــ لکھنے والا کرشن ــــ اس طرح ان تینوں میں گویا وحدت الوجود کا مظاہرہ ہوا۔" (گیتا پروچن ص ۳،۲)

لیکن گیتا کی اصلیت وحقیقت اُسی وقت نکھر کر سامنے آتی ہے جب ہم یہ جان لیں کہ موجودہ گیتا کن کن شکلوں سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔ مہابھارت کی جنگ میں شری کرشن نے ارجن کو جو اپدیش دیے تھے اُس کی اشاعت کس طرح ہوئی، اُس کی روایتیں موجودہ مہابھارت کتاب میں خود اس طرح درج ہیں :

"جنگ کے آغاز سے پہلے بیاس جی نے دھرتراشٹر سے جا کر کہا کہ "اگر تمھاری خواہش جنگ دیکھنے کی ہو تو میں تمھیں اپنی آنکھ دیتا ہوں۔"[1] اس پر دھرتراشٹر نے کہا کہ : "میں اپنے خاندان کی بربادی اپنی آنکھ سے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔" تب ایک ہی جگہ پر بیٹھے بیٹھے تمام باتوں کا علم حاصل کرنے کے لیے سنجے نام کے سارتھی[2] کو بیاس جی نے "روشن آنکھ" دے دی۔ سنجے کے ذریعے جنگ کی مکمل صورتِ حال دھرتراشٹر کو معلوم کرا دینے کا اہتمام کر دینے کے بعد بیاس جی چلے گئے۔"

(مہابھارت بھیشم — ۲)

"جب آگے جنگ میں بھیشم زخمی ہوئے اور متذکرہ اہتمام کے مطابق خبر سنانے کے لیے پہلے سنجے دھرتراشٹر کے پاس گیا، تب بھیشم کے بابت غم کا اظہار کرتے ہوئے دھرتراشٹر نے سنجے کو حکم دیا کہ جنگ کی تمام باتوں کا تذکرہ کرو۔ حسب الحکم سنجے نے پہلے دونوں پارٹیوں کی فوجوں کا ذکر کیا اور پھر دھرتراشٹر کے دریافت کرنے پر گیتا کو بتانا شروع کیا۔ آگے چل کر یہ تمام باتیں بیاس جی نے اپنے شاگردوں کو، اُن شاگردوں میں سے بیشمپائن نے جنیجے کو اور آخر میں سوتی نے شونک کو سنائیں۔ مہابھارت کی تمام شائع شدہ کتابوں میں بھیشم پرو کے ۳۵ ویں باب سے لے کر ۴۲ ویں باب تک یہی گیتا کہی گئی ہے۔"

(بھگوت گیتا رہسیہ ص ۶۰۷)

---

[1] واضح رہے کہ دھرتراشٹر پیدائشی اندھے تھے۔ [2] سارتھی یعنی رتھ ہانکنے والا۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے ہم تین قسم کے نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

(۱) اول یہ کہ گیتا میں شری کرشن کا جو کچھ بھی اُپدیش ہے وہ جنگ کی حالت میں دیا گیا ہے۔ اس کی صورت اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھی کہ ایک ساتھی اپنے ایک دوسرے عزیز ساتھی کو جو جنگ کے نامساعد حالات کو دیکھ کر پژمردہ اور مایوس ہو چکا ہے ــــــ کچھ نصیحتیں کر رہا ہے۔ یہ نصیحتیں اُس وقت کے لیے ممکن ہے نتیجہ بخش رہی ہوں، لیکن عام حالات اور ہر زمانے میں ان نصیحتوں کا مفید اور کارآمد ہونا محلِ نظر ہے۔ گیتا میں اُپدیش دیتے دیتے شری کرشن جی کہیں کہیں یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ میں ایشور کا اوتار ہوں، یا مجھ سے پوری کائنات ہے یا یہ کہ میری بندگی کرو۔ لیکن اس سے قطع نظر کہ وہ ایشور کے اوتار تھے، یا بعد کے لوگوں نے اپنی عقیدت اور اندھی تقلید کے باعث انھیں بھگوان کی شکل دے دی ہے ــــــ گیتا کے اُپدیش قطعی طور پر اس کا ثبوت فراہم نہیں کرتے کہ وہ بجا طور پر ایسی کتاب ہے جو ایک نظریۂ زندگی عطا کرتی ہو، جس میں ہر ملک اور ہر زمانے کے انسانی مسائل کا حل پیش کیا گیا ہو، ــــ وغیرہ ــــ اور پھر یہ کہ گیتا کے جن مباحث کو سامنے لایا گیا ہے اُن کا اگر عقلی تجزیہ کیا جائے تو یہ گمان ہونے لگتا ہے اور جیسا کہ انشاءاللہ ہم بعد کے صفحات میں اس کا تذکرہ کریں گے، کہ اصل گیتا ممکن ہے کوئی مفید اور کارآمد کتاب رہی ہو، لیکن موجودہ گیتا میں اس قدر تحریف ہوئی ہے اور اس کے الفاظ و معانی میں اتنی زیادہ تبدیلیاں پیدا کر دی گئی ہیں کہ یہ گیتا ہندو سنیاسیوں اور جوگیوں کے خیالات کا معجونِ مرکب بن کر رہ گئی ہے۔

(۲) دوم یہ کہ گیتا کی اشاعت روایتی طور پر ہوئی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ گیتا کی روایت سنجے نامی سارتھی نے کی، اور پھر یہی اُپدیش بیاس جی نے اپنے شاگردوں کو سُنائے۔ پھر بیشمپائن نے جنمجے کو اور آخر میں سوتی نے شونک کو سُنائے۔ کسی بھی کتاب میں ان راویوں کے بابت کچھ نہیں لکھا گیا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ ان روایتوں میں من گھڑت، ترمیم و تنسیخ ہوئی ہو۔ جیسا کہ مختلف روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہابھارت

—— گیتا جس کا ایک جزو ہے —— خود بہت کچھ بدل کر اب ہمارے سامنے پہنچی ہے۔

(۳) سوم یہ کہ سنجے نامی سارتھی کو —— جس نے دھرتراشٹر کو گیتا سنائی تھی۔ —— بیاس جی نے "روشن آنکھ" دی تھی، یہ "روشن آنکھ" کوئی دُوربین تھی جو سنجے کے جسم میں لگا دی گئی تھی اور اس نے تمام واقعات کا آنکھوں دیکھا حال بیان کر دیا تھا۔ یا پھر بیاس جی کوئی خدا تھے[۱] اور سنجے الہام دوت جن کے دل میں تمام واقعات الہام کی شکل میں نقش ہوتے جا رہے تھے۔ بہرحال یہ بات خاص طور سے قابل غور ہے[۲] گیتا کی اصلیت کے سلسلے میں ایک دوسرا پہلو اور بھی زیادہ اہم ہے۔ وہ یہ کہ کیا موجودہ گیتا وہی اصل گیتا ہے یا اس میں تحریف و ترمیم ہوئی ہے۔ موجودہ گیتا میں کل سات سو اشلوک ہیں۔ بال گنگا دھر تلک جی کے قول کے مطابق :——

"لیکن سات سو اشلوک کی بھگوت گیتا ہی کو گیتا نہیں کہتے، متعدد علمی کتابیں بھی گیتا کہلاتی ہیں۔ اور تلک جی نے اپنے قول کو صحیح ثابت کرنے کے لیے مختلف گیتاؤں کے نام بھی شمار کیے ہیں۔ مثلاً پنگل گیتا، شمپاک گیتا، منکی گیتا۔ بودھیہ گیتا، ہاریت گیتا، ہنس گیتا، ایشور گیتا، اتر گیتا، دیوی گیتا، پانڈو گیتا، سوت گیتا، یم گیتا، رام گیتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا موجودہ گیتا کو ان تمام گیتاؤں سے ممیز کرنے کی غرض سے اس کا نام "بھگوت گیتا" رکھا ہے۔

"بھگوت گیتا" ایک سنسکرت لفظ ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے "بھگوان سے گایا گیا اپنشد"۔ تلک جی گیتا رہسیہ میں صفحہ ۸ پر اس طرح اس کی تشریح کرتے ہیں :——

"اس نام (بھگوت گیتا) ہی سے واضح ہوتا ہے کہ گیتا میں ارجن کو جو اپدیش دیے گئے ہیں۔ وہ مخصوص طور پر بھاگوت دھرم —— بھگوان کے چلائے ہوئے دھرم —— سے متعلق ہوں گے۔ کیونکہ شری کرشن کو "شری بھگوان" کا نام خاص بھاگوت دھرم ہی میں دیا گیا ہے۔ یہ اپدیش کچھ نئے نہیں ہیں۔ قدیم زمانے میں یہی اپدیش بھگوان نے وِوسوان کو، وِوسوان نے منو کو، منو نے اکشواک کو دیے تھے۔"

---

[۱] واقعہ یہ ہے کہ بیاس جی کو ہندو حضرات بھگوان مانتے ہیں۔ [۲] پھر روشن آنکھ نے حالاً کو دیکھا ہی نہیں گیتا کو سنا بھی۔

ٹھیک یہی بات گیتا کے باب ۴۔ اشلوک ۱ تا ۳ میں لکھی ہوئی ملتی ہے۔

مگر اسی بھگوت گیتا کے متعلق موجودہ تحقیق و انکشاف سے جو بات سامنے آئی ہے اس سے یہ تمیز کرنا بے دُشوار ہو جاتا ہے کہ موجودہ گیتا اور اصل گیتا میں کوئی ربط ہے بھی یا نہیں، اور اگر ہے تو کتنا۔

گیتا مہابھارت کے بیلی حصّے کے چند ابواب پر مشتمل ایک کتاب ہے، جو بعد میں کتابی شکل میں الگ شائع کی گئی ہے۔ گیتا میں کتنے اشلوک ہو سکتے ہیں، گیتا کے متعلق کتنی سرگوشیاں ہوتی رہی ہیں۔ ان قیاس آرائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے تلک جی رقم طراز ہیں:

"کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں کہ جنگ کے میدان میں ارجن کو سات سو اشلوک کی گیتا سُننے کا موقع ملنا ممکن نہیں ہے، یہ ممکن ہے کہ لڑائی کی صحبت میں دس بیس اشلوک یا ان کا خلاصہ سُنا دیا ہو۔ اور انھیں اشلوکوں کی تفصیل کو سنجے نے دھرتراشٹر سے، بیاس نے شک سے، بیشمپائن نے جنمیجے سے اور سوت نے شونک سے کہا ہو۔ یا مہابھارت کے مصنف نے اس کو بالتفصیل یعنی پھیلا کر لکھا ہو۔" (گیتا رہسیہ ص)

پھر آگے وہ لکھتے ہیں کہ جنگ کے موقع کے پیش نظر :—

"کچھ لوگوں نے سات، کسی نے اٹھائیس، کسی نے چھتیس اور کسی نے سو بنیادی اشلوک گیتا کے کھوج نکالے ہیں۔" (گیتا رہسیہ ص)

آج کل تو سات اشلوکوں کی ایک گیتا بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس میں صرف موجودہ گیتا کے باب ۸ کا تیرھواں اشلوک، باب ۱۱ کا چھتیسواں اشلوک، باب تیرہ کا تیرھواں اشلوک، باب ۸ کا نواں اشلوک، باب ۱۵ کا پہلا اشلوک، باب ۱۵ کا پندرھواں اشلوک اور باب ۱۸ کا پینسٹھواں اشلوک درج ہے۔ اسی طرح کی مختلف گیتائیں ہیں جن میں موجودہ گیتا کے کچھ ہی اشلوک درج ہیں۔ اور تقریباً سبھی کا یہ دعویٰ ہے کہ یہی وہ اصل اور بنیادی اشلوک ہیں

جو شری کرشن نے ارجن کو اپدیش کی شکل میں بتائے تھے۔ پھر آگے چل کر تلک جی نے ایک اہم انکشاف کیا ہے کہ:

"کچھ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ارجن کو میدانِ جنگ میں گیتا کا برہم گیان (خدائی علم) بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ویدانت سے متعلق یہ اہم کتاب بعد میں مہابھارت میں شامل کرائی گئی ہے۔"

اس طرح یہ تمام سرگوشیاں گیتا کی اصلیت وحقیقت پر سے پردہ اٹھانے کے لیے کافی ہیں۔ دراصل اس قسم کے اعتراضات ـــــ جو ایک حد تک حقیقت ہیں ـــــ گیتا کے موضوعات جنگ کی کیفیت، ارجن اور شری کرشن کی شخصیتوں اور روایتوں ہی کی روشنی میں کیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اعتراضات کرنے والوں نے ایک حد تک دلائل و براہین سے بھی کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گیتا کے بہت بڑے شارح تلک جی ـــــ جنھوں نے اپنی حد تک اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے ـــــ خود ہی اس کا اعتراف کرتے ہیں:ـــ

"یہ ضروری نہیں کہ یہ سب باتیں بالکل ہی غلط ہوں۔" (گیتا رہسیہ ص ۔)

گیتا کی اصلیت کو واضح کرنے والا ایک تیسرا پہلو گیتا اور مختلف دوسری گیتاؤں کے مطالعے سے یہ نکلتا ہے کہ تقریباً ہر گیتا میں ـــــ خواہ وہ بھاگوت گیتا سے پہلے کی تصنیف ہو یا بعد کی ـــــ گیتا میں بیان کیے گئے موضوعات کو ہی مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام گیتائیں انسانی ذہن کی پیداوار ہیں، لہٰذا موجودہ گیتا کے بارے میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی کسی مصنف کے ذہن کی اپج ہے۔ اور چونکہ اس گیتا کا سلسلہ کرشن اور ارجن جیسی عظیم ہستیوں سے ملا دیا گیا ہے، لہٰذا اس کی اہمیت کو بڑھانے، نیز عظمت وتقدس کا مرتبہ دینے کی غرض سے اسے ارجن کو شری کرشن کے ذریعے دیے گئے اپدیش کی شکل دے دی گئی ہو، ورنہ بھارت کی فضا میں اس قسم کے فلسفے ـــــ جو گیتا میں مذکور ہیں ـــــ بارہا منظرِ عام پر آ چکے ہیں، نیز بھارت کے باشندوں کا انہیں فلسفوں پر ایمان رہا ہے۔ یہاں کے لیے یہ نہ تو کوئی نئی بات تھی اور نہ ہی کوئی انوکھی اور عجیب چیز۔ اپنے اس دعوے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ہم یہاں چند گیتاؤں کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں

تقریباً الفاظ کے کم و بیش رد و بدل کے ساتھ وہی باتیں حتیٰ کہ وہی اشلوک بھی مل جاتے ہیں جو گیتا میں درج ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ گیتا اصل کتاب ہے اور اس کے فلسفے اور نظریات دوسرے مصنفوں نے اخذ کر لیے ہیں تو اس طرح ایک نئی بات کا اور اضافہ ہو جاتا ہے وہ یہ کہ الفاظ و معانی کے رد و بدل اور ہیر پھیر سے مختلف گیتاؤں میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ موجودہ گیتا اصل گیتا سے مختلف ہوگی اور ان سب کا ماخذ کوئی اور کتاب ہوگی۔

ہم یہاں جن گیتاؤں کا تذکرہ کریں گے وہ زیادہ تر مختلف پورانوں سے ماخوذ ہیں۔[1]

گنیش پوران کے آخری باب "کریڑا کھنڈ" کے ۱۳۸ سے ۱۴۸ اشلوکوں میں گنیش گیتا کہی گئی ہے۔ اسے اگر تھوڑے سے رد و بدل کے ساتھ بھگوت گیتا کی نقل کہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کرم پوران کے شروع میں گیتا ابواب پر مشتمل ایشور گیتا ہے۔ ایشور گیتا میں کافی تبدیلی کے ساتھ گیتا کے چند اشلوک درج ہیں۔ خود بھاگوت گیتا کا خلاصہ اگنی پوران کے تیسرے حصے میں ۳۸۰ ویں باب میں نیز گرڑ پران کے ۲۴۳ ویں باب میں درج ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ وشسٹھ جی نے جو اپدیش رام چندر جی کو دیا اس کو یوگ وشسٹھ کہتے ہیں لیکن اس کتاب کے آخری باب میں اسی بھاگوت گیتا کا خلاصہ دیا گیا ہے جسے شری کرشن نے ارجن سے اپدیش کی شکل میں کہا تھا۔ اس میں بھگوت گیتا کے کچھ اشلوک بعینہٖ درج ہیں۔

اسی طرح کی مختلف گیتائیں ہیں جن میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ کچھ تبدیلیوں کے ساتھ بھگوت گیتا کے کچھ فلسفے اور نظریات قدیم و جدید ہر کتاب سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے نتائج پر ہم اوپر مجملاً بحث کر چکے ہیں۔

مرکزی موضوع

گیتا کی اصلیت پر مختصر سی بحث کرنے کے بعد اب یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گیتا کا مرکزی موضوع معلوم کر لیا جائے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ دنیا میں

---

[1] ان تمام گیتاؤں کا بیان تلک جی کی کتاب "گیتا رہسیہ" سے اخذ کیا گیا ہے۔

غالباً گیتا ہی وہ کتاب ہے جس کے مرکزی موضوع کے معین کرنے میں بہت زیادہ کوششیں صرف کی گئی ہیں۔ لیکن اس کا کوئی حاصل نہ نکلا —

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ارجن کی "بزدلی" کو دُور کرنے اور اُسے جنگ میں لگا دینے کے لیے گیتا کہی گئی ہے۔ ایسا اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ عین جنگ کی حالت میں ارجن کا ہتھیار ڈال دینا اور کچھ سہمے ہوئے انداز میں شری کرشن سے اپنے خیالات کا اظہار کرنا خود ثابت کرتا ہے کہ ارجن میدانِ جنگ سے ہٹ کر سنیاس کے راستہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اور یہی قرینِ قیاس بھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ارجن کو جنگ کی طرف راغب کرنے اور جنگ میں حصہ لینے کو سنیاس مارگ کی بہ نسبت اہم بتانے کی غرض سے شری کرشن کو مختلف پیرائے اختیار کرنے پڑے ہوں اور انھوں نے مختلف فلسفوں اور نظریوں اور اصولوں کی تردید و حمایت کے ذریعے اپنی بات صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہو۔ کیونکہ ارجن کا جنگ میں حصہ نہ لینے کا مطلب تھا پانڈوں کی شکست اور کوروں کی فتح۔ اور شری کرشن قطعی طور پر یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کا عزیز ترین ساتھی جنگ میں اپنی شکست تسلیم کر کے اپنے خاندان والوں کے مُنھ پر کالک لگائے۔ اس خیال کی مزید تائید شری کرشن جی کے وہ جملے کرتے ہیں جو انھوں نے بیچ بیچ میں "اس لیے" کے ساتھ اکثر و بیشتر کہے ہیں۔ جیسے:

"اس لیے اے ارجن! تو جنگ کر۔" (۱۸ : ۲)

"اس لیے تو کرم (جنگ) ہی کر" (۱۵ : ۴)

"اس لیے اے ارجن! تو جنگ کا فیصلہ کر کے اُٹھ۔" (۳۷ : ۲)

"اس لیے تو موہ چھوڑ کر اپنا فرض ادا کر۔" (۱۹ : ۳)

"اس لیے میرا ذکر کر اور جنگ کر۔" (۷ : ۸)

"کرنے والا سب کچھ میں ہی ہوں۔ تو صرف ذریعہ ہے۔ اس لیے جنگ کر کے دشمنوں پر فتح حاصل کر۔" (۳۳ : ۱۱)

اور آخر میں شری کرشن نے جو فیصلہ کن سوال ارجن سے کیا ہے وہ اس خیال کی تائید کرتا ہے
شری کرشن نے ارجن سے سوال کیا :

"اے ارجن ! تیرا جہالت اور موہ[1] ابھی تک ختم ہوا کہ نہیں ؟"

اس پر ارجن نے پورے اطمینان و یقین کے ساتھ جواب دیا :

"اے کرشن جی ! آپ کی مہربانی سے میرا موہ ختم ہوگیا ہے اور میں نے اپنے فرضِ منصبی کو پہچان لیا ہے۔ لہٰذا میں بغیر کسی شک کے اب آپ کی اطاعت کروں گا (یعنی جنگ میں حصہ لوں گا)"

(باب ۱۸ : ۷۲ تا ۷۳)

اس خیال کی مزید تائید میں وہ پسِ منظر بھی پیش کیا جا سکتا ہے جس کے تحت ارجن نے شری کرشن سے سنیاس اختیار کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ جب دونوں فریقوں یعنی پانڈوں اور کوروؤں کی طرف سے جنگ کی تیاریاں مکمل ہوگئیں اور دونوں طرف سے جنگی بگل بجائے گئے تو ارجن کے دل میں کس طرح ایک ٹیس اٹھی اور کیا کیا انھوں نے شری کرشن سے کہا۔ اس کا تذکرہ خود بھاگوت گیتا کی زبانی سُنیے :

"ارجن نے کہا ' اے کرشن جی ! میرا رتھ دونوں فوجوں کے درمیان لے چل کر کھڑا کرو، تاکہ میں جنگ کے لیے تیار ان لوگوں کا جائزہ لے لوں اور (یہ بھی دیکھ لوں) کہ مجھے اس جنگ میں کن لوگوں کے ساتھ (مل کر) لڑنا ہے۔ نیز بدعقل کی طرف سے جو جنگ کے لیے جمع ہوئے ہیں ان پر بھی نظر ڈال لوں۔" (باب ۱ : ۲۱ تا ۲۳)

اس طرح شری کرشن نے ارجن کے رتھ کو میدانِ جنگ میں پہنچا دیا۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ ارجن کے رتھ کو ہانکنے والے شری کرشن جی ہی تھے، جب دونوں میدانِ جنگ میں پہنچ گئے تو شری کرشن کے

---

[1] موہ کا مترادف لفظ اردو میں 'محبت' ہے۔ لیکن محبت کا استعمال خالص انس و یگانگت کے لیے ہوتا ہے۔ مگر گیتا میں موہ کا استعمال جہاں کہیں بھی ہوا ہے اُس کا مطلب مخلصانہ محبت نہیں ہوتا، بلکہ اس موہ میں شر کا پہلو غالب ہے۔ یعنی حرص و طمع' یا ذاتی غرض کے لیے کی گئی محبت ۔

یہ کہنے پر کہ "ارجن! یہاں مجتمع کوروؤں کو دیکھو۔" ـــــــ (باب ۱: ۲۵) ارجن نے فوجوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں پر جمع ہونے والے سب اپنے ہی بڑے بوڑھے، باپ دادا، آچاریہ، ماما[1]، بھائی، بیٹے، ناتی، دوست، خسر اور اعزا دونوں ہی فوجوں میں ہیں۔ اور اس طرح یہ دیکھ کر کہ وہ سب ہمارے بھائی برادر ہیں، کُنتی کا لڑکا اَرجن رحم و کرم کے جذبات سے لبریز ہوگیا اور جھنجھلا کر بولا:

"اے کرشن جی! جنگ کی خواہش کے ساتھ یہاں جمع ہونے والے اپنے لوگوں کو دیکھ کر میرے اعضا شل ہو رہے ہیں۔ زبان خشک ہو رہی ہے، جسم میں کپکپی طاری ہے، گانڈیو (ارجن کا دھنش) ہاتھ سے گرا پڑتا ہے اور بدن میں آگ سی لگ گئی ہے، کھڑا نہیں رہا جاتا، میرا دماغ چکرا رہا ہے۔ اس طرح اے کیشو (کرشن)، مجھے تمام علامات مخالف دکھائی پڑ رہی ہیں۔ اور اعزا و اقربا کو قتل کرنے سے کوئی بھلائی نظر نہیں آ رہی ہے۔ اے کرشن! مجھے سامانِ عیش و عشرت کی ضرورت نہیں، نہ حکومت چاہیے اور نہ آرام ہی۔ اے گوبند! حکومت اور سامانِ عیش و عشرت حاصل کرنے اور زندہ رہنے ہی سے ہمیں کیا فائدہ ہے، جن کے لیے حکومت کی، سامانِ عیش و عشرت کی اور امن و سکون کی خواہش کرنی چاہیے تھی، وہی لوگ جان و مال کی توقع سے کنارہ کش ہو کر جنگ کے لیے کھڑے ہیں۔ آچاریہ، بڑے بوڑھے، لڑکے، دادا، ماما، خُسر، ناتی، سالے اور اعزا، حالانکہ ہمیں قتل کرنے کے لیے کھڑے ہیں، پھر بھی اے مدھوسودن (کرشن) میں (انھیں) قتل کرنے کی خواہش نہیں رکھتا، خواہ مجھے تینوں لوک کی حکومت ہی کیوں نہ مل جائے۔ پھر دُنیا کی حقیقت ہی کیا ہے؟ اے جنارون (کرشن) ان کوروؤں کو مار کر ہمارا کون سا بھلا ہوگا؟ حالانکہ یہ بڑے پاپی[2] ہیں، تو بھی ان کو

[1] یعنی ماموں [2] یہاں پر لفظ آتتائی استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی ہوتے ہیں: گھر جلانے کی غرض سے آنے والا، زہر دینے والا، اسلحہ لیے ہوئے قتل کرنے کی غرض سے آنے والا، مال و دولت لوٹ کر لے جانے والا، عورت کو اغوا کرنے والا، کھیتوں کو نقصان پہنچانے والا۔ اس قسم کے چھ جرم کرنے والے کو آتتائی کہتے ہیں۔

قتل کرنے میں گناہ ہی ہوگا۔ لہٰذا ہمیں اپنے ہی بھائیوں (کوروؤں) کو قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اے مادھو! اپنے اعزا کو قتل کرکے ہم سکھی کیونکر رہ سکیں گے؟ لوبھ[1] سے جن کا ذہن مفلوج ہو گیا ہو انھیں خاندان کی تباہی سے پیدا ہونے والی برائی .... صاف دکھائی نہیں پڑتی۔ پھر بھی اے جناردن (کرشن) خاندان کی تباہی کی خرابیاں ہمیں صاف دکھائی پڑ رہی ہیں لہٰذا کیونکر ممکن ہے کہ ہمارے دل میں اس پاپ سے بچنے کا خیال نہ آئے؟ خاندان کی تباہی سے سناتن خاندانی دھرم[2] تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان خاندانی دھرموں کے مٹ جانے سے خاندان پر ادھرم کی دھاک بیٹھ جاتی ہے اے کرشن! ادھرم کے پھیلنے سے خاندان کی عورتیں بگڑ جاتی ہیں۔ اے کرشن! عورتوں کے بگڑنے سے ذات خراب ہوتی ہے اور ذات خراب ہونے سے وہ خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح مکمل خاندان باشبہ نرک (دوزخ) کے گڑھے میں گرتا ہے۔ اور اے کرشن! ہم سنتے آئے ہیں کہ جن انسانوں کے خاندانی دھرم تباہ ہو جاتے ہیں وہ یقینی طور پر دوزخی ہوتے ہیں۔ اس طرح میدانِ جنگ میں تقریر کرنے کے بعد رنج و غم سے چور ہو کر ارجن (ہاتھ کا) دھنش تیر ڈال کر رتھ میں اپنی جگہ پر یوں ہی بیٹھ گیا۔" (باب ۱: ۲۱ تا ۴۷)

اس صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے شری کرشن نے ارجن کو یقین دلایا اور تسلی دی کہ کھشتری لوگ ایسا نہیں سوچا کرتے۔ تمھیں اس موہ کے دام میں گرفتار ہونے کی ضرورت نہیں۔ شری کرشن کے الفاظ اس طرح تھے:۔

"اے ارجن! اس نازک موقع پر تیرے (دل میں) یہ موہ کہاں سے آ گیا" جس پر

---

[1] حرص۔ طمع۔ [2] گیتا میں "دھرم" لفظ متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ دھرم کا لفظی ترجمہ اردو میں مذہب کیا جا سکتا ہے لیکن گیتا میں دھرم ان فرائض کو کہتے ہیں جو فطری کے ساتھ ساتھ روایتی نیز خاندانی طور پر ایک انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ ارجن کا دھرم تھا کہ وہ جنگ کرے' جملہ میں دھرم کا مطلب مذہب نہیں بلکہ ارجن کا وہ فرض منصبی ہے جو فطری طور پر بھی اور کھشتری خاندان میں پیدا ہونے پر بھی ان پر عائد ہو جاتا ہے۔

کہ آریہ یعنی حق پرستوں نے کبھی توجہ نہیں کی۔ جو ذلت کی طرف لے جانے والا ہے اور جو بدنامی کا باعث ہے۔ اے پارتھ (ارجن) ایسا نامردمت بن، یہ تیرے شایانِ شان نہیں۔ اے دشمنوں کو تباہ کرنے والے (ارجن) ضمیر کی اس حقیر کمزوری کو تج کر (جنگ کے لیے) کھڑا ہو۔" (باب ۲۔ ۲ تا ۳)

لیکن ارجن اس دلاسے کے باوجود بھی مطمئن نہیں ہوتے اور کہنے لگے :-

"اے مدھوسودن (کرشن) میں عزت مآب بھیشم اور دروڑ آچاریہ کے ساتھ ——— اے دشمنوں کو ہلاک کرنے والے (شری کرشن)! جنگ میں تیروں سے کیسے لڑوں گا۔ مہاتما گرو لوگوں کو قتل کرنے کی نسبت اس دنیا میں بھیک مانگ کر پیٹ پالنا قابلِ ترجیح ہے۔ لیکن اغراض و خواہشات کے پجاری (ہوں تو بھی) گرو لوگوں کو مار کر اس دنیا میں مجھے ان کے خون سے رنگے ہوئے سامانِ عیش و عشرت کو استعمال کرنا پڑے گا۔ ہم فتح حاصل کریں یا ہمیں وہ جیت لیں ——— ان دونوں باتوں میں قابلِ ترجیح کیا ہے؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا جنہیں مار کر پھر زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے وہی کورو (جنگ کے لیے) سامنے کھڑے ہیں۔ (باب ۲ — ۴ تا ۶)

ارجن کے اس موہ کو ختم کرنے کے لیے اس موقع کے مطابق، نیز ارجن کی شخصیت کا لحاظ کرتے ہوئے شری کرشن نے جو کچھ اپدیش دیے در اصل وہی گیتا کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ بغیر کسی شرح اور تفسیر کو پڑھے ہوئے بالکل خالی الذہن ہو کر ایک شخص گیتا کا مطالعہ کر جائے، تو وہ یہی محسوس کرے گا اور اس کا یہ احساس حق بجانب بھی ہوگا کہ گیتا کا مرکزی موضوع جنگ کے لیے ارجن کو اکسانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اور وہ بھی ایک ایسی جنگ جس کا کوئی مقصد اور جس کی کوئی غرض متعین شکل میں ہمارے سامنے موجود نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس جنگ کا کوئی مقصد ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جنگ ذاتی اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے لڑی گئی تھی جیسا کہ عموماً جنگیں ہوا کرتی ہیں۔ اس کے پیچھے نہ تو کوئی اعلیٰ اخلاقی قدر تھی اور نہ ہی انسانیت کے تحفظ کا کوئی اعلیٰ مقصد — یہ جنگ

کیوں ہوئی ؟ اس سوال کو حل کر لینے کے بعد امید ہے کہ جنگ کے مقاصد کی ایک جھلک سامنے آجائے گی ۔

کہا جاتا ہے کہ ہستنا پور (دہلی کے قریب) میں ایک چندر بنشی خاندان کی حکومت قائم تھی۔ وچتر ویریہ راجہ ـــــــ جو اسی خاندان سے متعلق تھا ـــــــ کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام دھرتراشٹرا اور دوسرے کا نام پانڈو تھا۔ دھرتراشٹر کے ایک سو بیٹے تھے۔ سب سے بڑے لڑکے کا نام دریودھن تھا۔ جید رتھ اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ انھیں لوگ کورو کہتے تھے پانڈو کے پانچ بیٹے تھے یدھشٹر، بھیم، ارجن، نکل، اور سہدیو۔ یہ سب اپنے والد کے نام پر پانڈو کہلائے جانے لگے ۔

وچتر ویریہ کے انتقال کے بعد ـــــــ چونکہ دھرتراشٹر اندھے تھے، لہذا پانڈو کو راج گدی سے نوازا گیا۔ پانڈو کی موت کے بعد دھرتراشٹر نے پانڈو کے بڑے لڑکے یدھشٹر کو راجہ بنانا چاہا۔ لیکن دریودھن نے اپنی ذاتی غرض کے باعث ایسا نہیں ہونے دیا۔ وہ خود راج گدی پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اس خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس نے پانڈوؤں کو ختم کرنے کی ایک سازش کی۔ ان کے رہنے کے لیے لاکھ کا ایک گھر بنوا دیا۔ اور جب وہ اس میں رہنے لگے، تو ایک شب اس مکان میں آگ لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن پانڈوؤں کو بر وقت اس سازش کا علم ہو گیا، لہذا وہ وہاں سے بھاگ نکلے۔ اس طرح وہ بارہ سال تک جنگلوں میں مارے مارے پھرے۔ پانڈوؤں کے وطن لوٹنے پر دھرتراشٹر نے انھیں نصف حکومت واپس دے دی۔ اور وہ اندر پرست (دہلی) کو دارالحکومت بنا کر حکومت کرنے لگے ۔

پانڈو اخلاقی نیز تعلیمی لحاظ سے کوروؤں سے بہتر تھے۔ انھوں نے چند دنوں میں کافی شہرت حاصل کر لی۔ یہ شہرت و ناموری دریودھن کے لیے قطعی ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ اس نے پانڈوؤں کو مٹانے کے لیے ایک نئی چال چلی، انھیں جوا کھیلنے پر آمادہ کیا۔ جوے میں پانڈو حکومت تک ہار گئے۔ حتیٰ کہ انھیں اپنی مشترکہ بیوی دروپدی کو بھی ہارنا پڑا۔ بھرے دربار میں دریودھن نے

دروپدی کی عصمت دری کی ناکام کوشش کی۔ اس کی تاب نہ لاکر بھیم نے اسی وقت یہ بچنہ عہد کیا کہ میں اپنی گدا[۵۱] کو دریودھن کے خون سے رنگوں گا۔ بالآخر جُوئے میں شکست کھانے کے باعث پانڈوں کو جنگل کی راہ اختیار کرنا پڑی۔ بن باس کی میعاد ختم ہونے پر پانڈوں نے اپنا راج واپس مانگا لیکن دریودھن کے اس جواب نے کہ "مانگنے سے کہیں راج ملتا ہے، بازو میں قوت ہو تو مجھ سے چھین لو" پانڈوں کے جذبات کے لیے آگ میں تیل کا کام کیا۔ اور نتیجۃً جنگ لڑی گئی۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ شری کرشن جی ارجن کے ساتھ تھے، لیکن انھوں نے اپنی پوری فوج کوروؤں کو دے دی تھی۔ اور وہ ان کی طرف سے جنگ کر رہی تھی۔ علاوہ ازیں پانڈوؤں کا ساتھ دینے والے کُل سات راجہ مع فوج کے شامل تھے، جبکہ بیشتر راجہ مع فوج کوروؤں کا ساتھ دے رہے تھے۔

اس پس منظر کے پیشِ نظر یہ نتیجہ بآسانی نکالا جا سکتا ہے کہ حکومت، دولت اور شہرت کی بُنیاد پر جنگ لڑی جا رہی تھی۔ نہ تو اس کا کوئی اخلاقی مقصد تھا اور نہ انسانیت کے تحفظ کے سلسلے میں ہی کوئی بات تھی۔ اس سلسلے میں ایک بار گیتا کے باب اول کے اشلوک ۳۲، ۳۳ اور ۳۵ پر ایک نظر ڈال لیں تو بہتر ہوگا، جس میں ارجن نے شری کرشن کو مخاطب کرکے کہا ہے کہ:

"اے کرشن! مجھے سامانِ عیش و عشرت کی ضرورت نہیں، نہ حکومت چاہیے اور نہ آرام ہی، اے گوبند! جن کے لیے حکومت کی، سامانِ عیش و عشرت کی اور امن و سکون کی خواہش کرنی چاہیے تھی، وہی لوگ جان و مال کی توقع سے کنارہ کش ہو کر یہاں جنگ کے لیے کھڑے ہوئے ہیں .... اے مدھوسودن! میں انھیں قتل کرنے کی خواہش نہیں رکھتا، خواہ مجھے تینوں لوک کی حکومت ہی کیوں نہ مل جائے۔

(صفحہ ۱۱۱ کا حاشیہ) لے واضح رہے کہ دروپدی پانڈو کے پانچوں لڑکوں کی مشترکہ بیوی تھیں، دروپدی کے علاوہ بھی ان پانڈو بھائیوں کی بیویاں موجود تھیں لیکن ان لوگوں کی نظر دروپدی پر خاص تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی عزیز ترین بیوی کو بھی داؤں پر رکھ دیا۔ دروپدی کے دریودھن کے قبضۂ اختیار میں آجانے پر اُس نے دروپدی کی جس طرح بے حرمتی کرنے کی کوشش کی اُس کو پانڈو بھائی برداشت نہیں کرسکے اور اُسی وقت یہ عہد کیا کہ کورو خاندان کو تباہ کرکے ہی سانس لی جائے گی۔ گویا دروپدی کی محافظت بھی جنگ کی ایک اہم وجہ بن گئی۔

(صفحہ ۱۱۲ کا حاشیہ) لے واضح رہے بھیم گدا چلانے کے ماہر تھے۔ ان کے مقابلے میں کوئی دوسرا گدا چلانے والا نہ تھا۔

پھر دُنیا کی حقیقت ہی کیا ہے۔"

اس کے علاوہ شری کرشن جی ارجن کو کس طرح شہرت، ناموری، خاندان کی عزّت وغیرہ کا واسطہ دے کر جنگ کے لیے آمادہ کر رہے ہیں، اس کو بھی گیتا کے باب دوم میں ملاحظہ فرمایئے :—

" اور اے ارجن! یہ جنگ سورگ کا ایک دروازہ ہے جو تیرے لیے خود بخود کھُل گیا ہے۔ ایسا موقع خوش قسمت کھشتریوں ہی کو ملا کرتا ہے۔ اور اگر تو اپنے اس دھرم کے تحفظ کے لیے جنگ نہ کرے گا تو دھرم کو اور شہرت کو برباد کر کے پاپ جمع کرے گا اور سب لوگ تیری بہت دنوں تک مذمت کرتے رہیں گے اور وہ مذمت ایک باعزّت شخص کے لیے موت سے بدتر ہے۔ اور قابلِ احترام ہوتے ہوئے بھی اگر تو ذِلّت حاصل کرے گا تو مہارتھی لوگ تجھے خوف زدہ ہو کر جنگ سے فراری ذہنیت رکھنے والا شمار کریں گے اور تیرے دُشمن تیری اہلیت کی مذمت کرتے ہوئے نہ کہنے کے قابل کلمات بھی کہہ ڈالیں گے۔ بھلا اس سے زیادہ دُکھ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر تو مر گیا تو سورگ کو جائے گا اور اگر فتحیاب ہوا تو دُنیا کے راجیہ کو بھوگے گا۔ اس لیے جنگ کرنے کا مستقل ارادہ کر کے اُٹھ۔" (باب ۲ : ۳۲ تا ۳۷)

" علاوہ ازیں، اگر تو اپنے دھرم کی طرف بھی دیکھے تو اس وقت ہمّت ہارنا تیرے لیے مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ دھرم کی رُو سے حق بجانب جنگ سے بڑھ کر اور کوئی بات کھشتری کی بھلائی کی نہیں ہو سکتی۔" (۲ : ۳۱)

گیتا، باب گیارہ میں کرشن جی اس طرح فرماتے ہیں :—

" اے ارجن! میں لوگوں کو ختم کرنے والا بڑھا ہوا کال ہوں۔ یہاں لوگوں کا ناش کرنے آیا ہوں۔ تو اگر نہ ہو تب بھی فوجوں کی صفوں میں یہ جتنے جنگ آزما کھڑے ہیں سب تباہ ہونے والے ہیں، لہذا تو اُٹھ! نیک نامی حاصل کر اور دُشمنوں کو مغلوب کر کے

وسیع سلطنت کا لطف اُٹھا۔ مَیں نے انھیں پہلے ہی مار دیا ہے۔"

(۱۱ : ۳۲ تا ۳۴)

مندرجۂ بالا اشلوکوں میں واضح کیے گئے خیالات کا مطالعہ کیجیے، اور اندازہ لگائیے کہ کیا گیتا کا مرکزی موضوع جنگ کے علاوہ بھی کچھ اور ہوسکتا ہے؟ اور کیا یہ جنگ اُن عام جنگوں سے کچھ مختلف ہے جو عام طور پر دو فریق کے درمیان پیش آتی رہتی ہیں؟ اور پھر کیا اس میں کوئی اعلیٰ مقصد موجود ہے جو انسانیت کی فلاح و کامرانی کا ضامن ہو؟۔

یہ کتنی تعجب انگیز بات ہے کہ ایک واضح اور متعین مقصد کے لیے شری کرشن جی نے ارجن کو کچھ اُپدیش دیے ہیں، لیکن درمیان کی کچھ فلسفیانہ باتوں کے پیش نظر ہندو مفکّرین نے ان کو دوسرا رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ تقریبًا یہ تمام ہندو مفکرین کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شری کرشن نے ارجن کو جنگ پر اُکسایا ہے، لیکن اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے تلک جی جیسے مفکروں نے بھی جنگ کے عام مسائل کو واضح کرنے والی اس کتاب کو 'کرم یوگ شاستر' ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ——— یعنی یہ کہ گیتا کرم (عمل) کے جذبہ کو بیدار کرنے والی کتاب ہے ——— ایک عمل کی طرف جو خدا کی مرضی و پسندیدگی حاصل کرنے کا ضامن ہے اور جس سے ہمیں 'آخرت' میں ابدی سکون و راحت (جنت) مل سکے گی۔

مندرجۂ بالا بحث سے جو چیز واضح ہوتی ہے وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ اس دُنیوی جنگ کے دوران میں ارجن نے جس بُزدلی کا ثبوت دیا تھا، اُس کو کرشن جی نے ختم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ونوبا بھاوے جی کو اس کے اعتراف میں بھی چند دقتیں لاحق ہیں، وہ اس کی تردید میں اپنی مشہور کتاب "گیتا پروچن" میں اس طرح رقم طراز ہیں:—

"سیکڑوں جنگوں میں اپنا جوہر دکھانے والا وہ مہاویر تھا۔ اُتر گوگرہن کے وقت اس نے تنہا ہی بھیشم، درونڑ اور کرن کے دانت کھٹے کر دیے تھے۔ ہمیشہ غالب رہنے والا، نیز تمام انسانوں میں ایک حق پرست ارجن ہے، اس قسم کی اس کی شہرت

تھی۔ بہادری کی جھلک اس کے عضو عضو میں دیکھی جا سکتی تھی۔ ارجن کو جھیڑنے کے لیے اس کو ترغیب دلانے کے لیے نامردی کا الزام لگا کر تو کرشن نے دیکھ لیا، مگر ان کا وہ نشانہ بے کار گیا۔ لہٰذا پھر ان کو دوسرے پہلو پر آ کر علم و جہالت سے متعلق اپدیش دینے پڑے۔ اس طرح یہ طے ہے کہ محض 'نامردی' کو ختم کرنا جیسا آسان کام گیتا کا نہیں ہے۔" (گیتا پروچن ص۲۷۳)

ممکن ہے ونوبا بھاوے جی کی طرز پر دوسرے لوگ بھی سوچتے ہوں، لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ونوبا بھاوے جی کے اس بیان سے قطعی طور پر یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ گیتا 'جنگ' کے مرکزی محور پر نہیں گردش کر رہی ہے۔ بلاشبہ گیتا کے درمیانی ابواب میں ارجن کو مطمئن کرنے کے لیے کچھ علمی انداز سے بھی بحث کی گئی ہے، اور کچھ مذہبی روایتی نظریات کی آڑ لے کر ان کو اس پر تیار کیا گیا ہے کہ وہ جنگ کریں۔ لیکن اس سے اس حقیقت کو کوئی چوٹ نہیں پہنچتی کہ گیتا کا مرکزی موضوع جنگ ہے اور مختلف ضمنی مباحث اس کے مختلف پلاٹ ہیں، جو اسی موضوع کے گرد طواف کرتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گیتا میں ارجن کے اس موہ کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو دوسروں کو قتل نہ کرنے کے جذبہ سے متعلق تھا۔ اگر اہنسا کے پس منظر میں کوئی دوسرا نظریہ کام نہ کرتا ہو اور وہ خالص اہنسا ہو تو ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ ارجن میں اہنسا کے جو جذبات اُبھر آئے تھے اُس کو کچلنے کی کوشش گیتا میں کی گئی ہے۔ لیکن ونوبا بھاوے جی نے 'گیتا پروچن' میں اس کی تردید کی ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ دراصل ارجن کا یہ موہ مستقلاً اہنسا کے جذبات کو اجاگر نہیں کرتا اور یہ نہیں ثابت کرتا کہ وہ اُس مذہبی اور مقدس جنگ سے بھاگ رہے ہیں بلکہ وقتی طور پر اپنے ہی عزیزوں و رشتہ داروں کو دیکھ کر وہ موہ کے جذبے سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اور جنگ نہ کرنے کے مختلف بہانے تراشتے ہیں۔

"اور وہ جھوٹ موٹ اس کا اظہار کرنے لگا کہ جنگ ہی حقیقت میں پاپ ہے، جنگ سے خاندان کی تباہی ہوگی، دھرم ختم ہو جائے گا، نفسانی خواہشات فروغ پائیں گی،

فحاشی بڑھے گی، قحط آجائے گا، سماج پر مختلف النوع آفات و بلیّات کا قبضہ ہوجائے گا۔ وغیرہ مختلف دلائل دے کر وہ کرشن ہی کو سمجھانے لگا۔"

(گیتا پروچن ص۵)

ارجن کی اس مخصوص کیفیت کا نقشہ اُنھوں نے جج کی مثال دے کر اس طرح کھینچا ہے :—

"ایک جج تھا اُس نے سیکڑوں مجرموں کو پھانسی کی سزا دی تھی، لیکن خود اس کا لڑکا قتل کے جُرم میں اس کے سامنے پیش کیا گیا، اس پر قتل ثابت ہوا، اور خود اپنے ہی لڑکے کو پھانسی کی سزا دینے کی نوبت آگئی۔ تب وہ ہچکچانے لگا، وہ عقلیت کی دلیلیں پیش کرنے لگا: "پھانسی کی سزا وحشیانہ ہے، ایسی سزا انسان کو زیب نہیں دیتی، اس سے مُجرم کے اصلاح کی توقع ختم ہوجاتی ہے، قتل کرنے والے نے جذبات سے مغلوب ہوکر قتل کر ڈالا، لیکن اُس کی آنکھوں پر سے قتل کا جنون اُتر جانے پر اس شخص کو سنجیدگی کے ساتھ پھانسی کے تختے پر چڑھا کر مار ڈالنا سماج میں انسانیت کے لیے بڑی شرم کی بات ہے؛ یہ بھی ایک بہت بڑا جُرم ہے۔" وغیرہ دلائل دہ دینے لگا۔ اگر اپنا لڑکا سامنے نہ آیا ہوتا تو جج صاحب بغیر کسی جھجک کے زندگی بھر پھانسی کی سزا دیتے رہتے۔ لیکن جج اپنے لڑکے کی ممتا کی وجہ سے ایسی باتیں کرنے لگا۔ یہ آواز دل کی آواز نہ تھی بلکہ ایک مخصوص موہ سے مغلوب تھی؛ "یہ میرا لڑکا ہے" اس خیال کے تحت ہی یہ تمام باتیں ہوئیں۔ ارجن کی حالت اسی جج کی طرح تھی .... اور گیتا نے خصوصیت سے اسی موہ پر وار کیا ہے۔"

(گیتا پروچن ص۵، ۶)

مندرجہ بالا تمثیل نگاری اور ارجن کی کیفیات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ ونوبا بھاوے جی یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ دراصل اہنسا کا یہ جذبہ وقتی اور عارضی تھا اور وہ بھی مخصوص حالت میں پیدا ہوگیا تھا۔ نیز گیتا صرف اسی جذبے کو ختم کرنے کے لیے کہی گئی ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جذبہ خواہ وقتی ہو یا مستقل ——— بہرحال پیدا ہوا جنگ سے ہی متاثر ہو کر۔ اس کی تاویل میں

یہ کہنا کہ ارجن نے تو مختلف جنگوں میں کافی بہادری سے کام لیا تھا، اس جنگ میں وہ کیسے فرار ہونا چاہتا تھا، بالکل انسانی جذبات و احساسات، کیفیات سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔ مہابھارت کی جنگ کے وجوہ پر ایک نظر ڈالیے، اس کے پس منظر پر غور کیجیے۔ کیا کہیں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ارجن شروع ہی سے جنگ کے خواہشمند نہیں ہیں۔ ارجن یقیناً جنگ کرنا چاہتے تھے اور کی بھی ——— اور غالباً ونوبا بھاوے جی یہی کہنا بھی چاہتے ہیں کہ ارجن میں اہنسا کے جذبات مستقلاً نہیں تھے ——— لیکن حالت جنگ میں جبکہ نقشہ ہی بالکل بدلا ہوا نظر آ رہا تھا، موت کے دامن وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے تھے، قتل و خونریزی کی شرمناک داستان دُہرائی جانے والی تھی، ارجن انسانی ہمدردی کے جذبے سے کافی متاثر ہوئے۔ وہ اپنے ان کارناموں سے ——— جو جنگ کی صورت اختیار کر چکے تھے ——— کافی پژمردہ اور مایوس سے نظر آنے لگے۔ ایسی صورت میں یہ جذبہ وقتی ہی تھا۔ اور اسی جذبے کو ختم کرنے کے لیے گیتا کا وجود ہوا لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ گیتا اصلاً جنگ کے پہلو کو اُجاگر نہیں کرتی، بلکہ ان نظریوں کو اُبھار کر سامنے لاتی ہے جو درمیان میں ضمنی طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ اگر کرشن جی کو ان نظریات کا بیان ہی مقصود تھا، تو پھر ان کو اس کے انتظار کی کیا ضرورت تھی کہ جنگ ہو، ارجن کی کیفیت شکست خوردہ سپاہیوں کی سی ہو اور تب گیتا کے شلوک کہے جائیں۔ وہ گیتا کے ان نظریات کو کسی بھی وقت، کسی بھی مقام پر کہہ سکتے تھے۔ لہٰذا ونوبا بھاوے جی کا اس انداز پر سوچنا کہ گیتا جنگ کی آڑ میں خدا، مخلوق اور کائنات کے تعلقات کو باہم گر مضبوط کرنے کے لیے کہی گئی ہے۔ کچھ مناسب نہیں نظر آتا۔

جیسا کہ ہم بار بار اس کا اعادہ کر چکے ہیں کہ گیتا میں جنگ پر اُکسانے کے لیے مختلف پیرائے اختیار کیے گئے ہیں نیز ارجن کے دل میں جتنے بھی شکوک و شبہات ——— خواہ اُن کی حیثیت وقتی ہی کیوں نہ رہی ہو ——— ہو سکتے تھے، ان کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اور یہ موضوعات اصلاً نہیں ضمناً آئے ہیں، یہ ضمنی موضوعات تین قسم کے نظریات پر مشتمل ہیں: ———

(۱) نظریۂ تناسخ یا آواگمن (۲) نظریۂ وحدۃ الوجود یا ادویت باد (۳) اور نشکام کرم یعنی ایسا عمل جس میں کسی شعوری غرض کا شائبہ تک نہ ہو۔ اس میں تیسرا موضوع وحدۃ الوجود کا ہی ایک جزو ہے لیکن

ان دونوں میں منطقی فرق کیا پیدا کیا گیا ہے اس کا تفصیلی جائزہ انشاءاللہ ہم اگلے مضمون میں لیں گے۔ دوسرے الفاظ میں تیسرے نمبر کا موضوع سنیاس واد کی طرف مائل ہے اور دوسرے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ دراصل مخلوق، کائنات اور خدا کا تعلق باہمی اس طرح ہے جیسے کہ ایک جسم اور اُس کے مختلف اعضا میں ہوا کرتا ہے۔

یہ تینوں ضمنی نظریے دراصل مخلوق، کائنات اور خدا کے تعلقات کو واضح کرتے ہیں لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اسی نظریے کو گیتا کا مرکزی موضوع قرار دیا ہے اور اس کی علمی حیثیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم مندرجہ ذیل سطور میں اس طرز کے مفکرین پر طائرانہ نظر ڈالیں گے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ یہ رویہ کہاں تک مناسب اور کہاں تک نامناسب ہے۔

جیسا کہ شروع کے صفحات میں ہم نے دو ایک روایتیں پیش کر کے گیتا کی اہمیت کا ایک سرسری جائزہ لیا ہے اسی اہمیت اور اُسی عظمت و تقدس کے پیشِ نظر ہندو مذہب کے ہر فرقے کے مقلدین نے گیتا کی شرح اپنے اپنے فرقے کے خیالات کے پیشِ نظر کی ہے۔ اس کا اعتراف خود تلک جی کرتے ہیں :——

> "اب یہ واضح ہے کہ گیتا کی مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں۔ اوّلاً تو خود مہابھارت کے مصنف نے بھاگوت دھرم کے مطابق اس کی شرح کی ہے، بعد ازاں متعدد پنڈتوں، آچاریوں، شاعروں، یوگیوں اور بھگتوں نے اپنے اپنے فرقے کے مطابق اسے خالص 'الٰہی علم' بتایا ہے۔"　　(گیتا رہسیہ)

ان مختلف شرحوں و تفسیروں میں آج کل شری شنکر آچاریہ کی تصنیف "گیتا بھاشیہ" یعنی گیتا کی شرح قدیم ترین کتاب مانی جاتی ہے۔ حالانکہ اس سے قبل بھی گیتا کی مختلف شرحیں لکھی جا چکی تھیں، لیکن اب وہ موجود نہیں ہیں اور اسی لیے یہ جاننا مشکل ہے کہ مہابھارت کے زمانۂ تصنیف سے لے کر شنکر آچاریہ کے زمانۂ تصنیف تک لوگوں نے کس کس طرح اس کی شرح کی تھی۔ پھر بھی شنکر آچاریہ نے اپنی تصنیف میں اپنے سے پہلے کے شارحین کی جو رائیں درج کی ہیں (گیتا بھاشیہ باب ۲ اور ۳ دیکھیے) اس سے ان خیالات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان کے قبل کے شارحین کے خیال میں گیتا "الٰہی علم" کا ترجمان ہے۔ اس کے نتیجے کے طور پر

ہر عالم کو علم کے ساتھ ساتھ پوری زندگی بھر اپنے فرضِ منصبی کو پہچاننا چاہیے۔ لیکن شنکر آچاریہ جی کے لیے یہ تصور قابلِ تسلیم نہ تھا۔ لہٰذا انھوں نے اپنی رائے کی تائید میں گیتا بھاشیہ کی تصنیف کی۔ گیتا کی ان فلسفیانہ گتھیوں کو سمجھنے کے لیے یہاں میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ویدک کال (یعنی وید کا زمانہ) میں سنیاس واد کی اشاعت کافی تھی، چنانچہ اس زمانے میں جتنے بھی وید اور شاستر تھے اُن میں یہی خیال رچا بسا تھا۔ جب گیتا ایک تصنیف کی شکل میں لوگوں تک پہنچی اور اس میں تمام اپنشدوں، ویدوں اور شاستروں کا خلاصہ نظر آیا تو شنکر آچاریہ جی نے اس کا مطلب یہ لیا کہ گیتا بھی خصوصیت کے ساتھ سنیاس مارگ کی طرف لے جانے والی کتاب ہے اور اس کا مرکزی موضوع یہی ہے۔ انھوں نے اس کی دلیل میں گیتا کے چند اشلوک بھی پیش کیے ہیں :—

"گیان روپی اگنی[1] سے ہی سب کرم بھسم ہو جاتے ہیں" (۴ : ۳۷)

"تمام کرموں کا خاتمہ گیان ہی سے ہوتا ہے" (۴ : ۳۳)

شنکر آچاریہ کے بعد ان کے پیروؤں جیسے مدھوسودن وغیرہ نے بھی اسی خیال کو اپنایا ہے۔ شنکر آچاریہ کی شرح کو دیکھ کر دوسرے فرقے والوں نے بھی گیتا کی شرح اپنے اپنے خیال اور اپنے اپنے نظریے کے مطابق کی۔ اور اس کا مرکزی موضوع بھی اسی لحاظ سے منتخب کیا۔ اگر شنکر آچاریہ نے وحدۃ الوجود کی آڑ میں مایا واد[2] اور سنیاس واد کو مرکزی موضوع بنا لیا تھا تو شری رامانج آچاریہ نے مخصوص قسم کے وحدۃ الوجود کی ترجمانی کی۔ انھوں نے بتایا کہ شنکر آچاریہ کا مایا واد و سنیاس واد دونوں باطل ہیں۔ مخلوق، کائنات اور خدا اگرچہ یہ تینوں مختلف ہیں، لیکن ان کی حیثیت جسم کے اُن اعضاء کی سی ہے جن میں ایک ہی روح جاری و ساری ہو۔ انھوں نے اپنی رائے کی تائید میں یہ بھی بتایا کہ اپنشدوں، برہم سوتروں اور خود گیتا میں اسی موضوع پر بحث کی گئی ہے اور کوئی دوسرا مسئلہ سرے سے آیا ہی نہیں ہے۔ انھیں وجوہ سے رامانج آچاریہ نے

---

[1] گیان روپی اگنی سے مراد علم کی آگ ہے۔ [2] مایا واد کا نظریہ یہ ہے کہ یہ دُنیا ایک مایا، ایک جال ہے، ایک فریب ہے، لہٰذا سنیاسی اور تارک الدنیا بن کر ہی زندگی گزارنے سے ایک انسان کو نجات مل سکتی ہے اور وہ تناسخ کے چکّر سے نجات پا سکتا ہے۔

یہ فیصلہ کیا ہے کہ گیتا میں اگرچہ گیان، کرم اور بھکتی کا تذکرہ ہے لیکن نظری لحاظ سے گیتا وحدۃ الوجود کی قائل ہے اور عملی لحاظ سے کرشن کی بھکتی ہی گیتا کا اصل موضوع ہے۔ دوسرے الفاظ میں رامانج آچاریہ نے شنکر آچاریہ کے مایا واد کی جگہ وحدۃ الوجود اور سنیاس واد کی جگہ بھکتی کو اصل موضوع قرار دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ رامانج آچاریہ نے بھی بھکتی ہی کو آخری کرم مان کر اور وحدۃ الوجود کو جاری کر کے ایک قسم کے سنیاس واد ہی کے خیال کو عملی صورت دی ہے۔

ایک تیسرے فرقے نے ان دونوں تصورات کی تردید کر دی۔ اس نے کہا کہ شنکر آچاریہ اور رامانج آچاریہ کے مطابق کچھ حیثیتوں سے مخلوق و کائنات کو ایشور کا جزو اور کچھ حیثیتوں سے جزو نہ ماننا باہم متضاد اور متخالف باتیں ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کو بالکل مختلف ماننا چاہیے۔ کیونکہ ان دونوں میں مکمل ترین مشابہت ممکن نہیں ہے۔ یہ تیسرا فرقہ 'مختلف الوجود' نظریے کا ماننے والا ہے' اس کے بانی شری مادھو آچاریہ بتائے جاتے ہیں۔ گیتا کی اپنی شرح میں مادھو آچاریہ نے بتایا ہے کہ اگرچہ گیتا میں نشکام کرم کو اہمیت دی گئی ہے۔ لیکن اصلاً وہ ذریعہ ہے اور مقصود بھکتی ہے۔ بھکتی مکمل ہو جانے پر کرم کا کرنا اور نہ کرنا سب برابر ہے۔

چوتھا فرقہ شری ولبھ آچاریہ کا ہے۔ اس فرقے کا کہنا ہے کہ مایا سے الگ خالص جیو (مخلوق) اور پربرہم (ایشور) ایک ہی ہیں۔ دو نہیں۔ اسی لیے اس فرقے کو خالص وحدۃ الوجود کے نظریے کا ماننے والا کہا جاتا ہے۔ مندرجہ فرقے کے علاوہ نمبارک کا چلایا ہوا ایک اور فرقہ ہے' جس رادھا اور کرشن کی بھکتی ہی کو مرکزی موضوع قرار دیا گیا ہے۔[1]

اس طرح گیتا کے شارحین کی تعداد ـــــ جو گیتا کے مرکزی موضوع کو متعین کرنے میں لگے ہوئے ہیں' تقریباً پندرہ تک پہنچ جاتی ہے۔ تلک جی نے حاشیہ پر نوٹ لگاتے ہوئے لکھا ہے کہ :

" مختلف فرقوں کے آچاریوں کی لکھی ہوئی گیتا کی شرحیں اور مخصوص پندرہ تفسیر کی کتابیں بمبئی کے گجراتی پرنٹنگ کے مالک نے جلدیں یکجا شائع کی ہیں " (گیتا رہسیہ ص ۱۸)

---

[1] یہ تاریخی بیانات تمام کے تمام بال گنگا دھر تلک کی کتاب 'گیتا رہسیہ' سے ماخوذ ہیں۔

ان اختلافات کا تذکرہ کرتے ہوئے تلک جی نے ایک بڑے پتے کی بات لکھی ہے اور اس مشکل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے جس میں ایک معمولی انسان کیا ایک ' عالم ' گرفتار ہو سکتا ہے۔ انھوں نے تمثیل نگاری سے کام لیتے ہوئے ان الفاظ میں اپنے خیالات کی ترجمانی کی ہے :—

" مثلاً ایک میٹھی اور رس دار مٹھائی کو دیکھ کر اپنی اپنی پسند کے مطابق کسی نے گیہوں کا، کسی نے گھی کا ' اور کسی نے شکر کا بنا ہوا بتا دیا تو ہم اس میں کس کو جھوٹ سمجھیں ؟ اپنے اپنے خیال کے مطابق تینوں کا کہنا ٹھیک ہے۔ اتنا ہونے پر بھی اس کا فیصلہ نہیں ہوا کہ وہ مٹھائی بنی کس چیز کی ہے ؟ گیہوں، گھی اور شکر سے مختلف قسم کی مٹھائیاں بن سکتی ہیں، لیکن مٹھائی کا فیصلہ اتنا کہہ دینے سے نہیں ہو سکتا کہ اس میں گیہوں غالب ہے، یا گھی غالب ہے، یا شکر غالب ہے "[1]

آخر کار تلک جی نے ان تمام باتوں کو ضمنی قرار دیتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ گیتا کا مرکزی موضوع ارجن کو اپنے فرض کی پکار عمل کی طرف راغب کرنا یعنی جنگ[2] کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

لہذا گیتا کو انسانی زندگی کا ' راز ' کہنا ' نجات کا واحد ذریعہ جاننا ' یا الٰہی کتاب کی حیثیت دینا صرف یہی نہیں کہ حقیقت کے خلاف ہے، بلکہ گیتا کے اصل موضوع کی اہمیت کو گھٹانا ہے +

---

[1] گیتا رہسیہ۔ باب ۱ ص ۱۹ [2] پتہ نہیں اہنسا کو ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کی بنیاد بنانے والے معلوم نہیں اس کا کیا جواب دیں گے۔ " مدیر "

(بقیہ صفحہ ۹۶)

رد نہیں کیا گیا ہے[۱]۔"

اس کے بعد عیسائیوں کے عقائد کی تردید میں قرآن مجید کی دو تین آیتوں کے ترجمے دیے گئے ہیں۔

کافر (ناستک) عیسائیوں کے تذکرے کے بعد راہل جی نے "منافق" کی سرخی سے منافقین مدینہ کے متعلق ان آیتوں کے ترجمے دیے ہیں۔ (۱'۲-۲-۲) (۷-۲-۲) (۲-۳-۲ ½) (۴-۳-۲ ½) اس کے بعد کافر (ناستک) کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

"یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس وقت عرب میں بت پرستی کا بہت زیادہ رواج تھا، قرآن میں سب سے زیادہ شدت کے ساتھ اسی کی تردید کی گئی ہے، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب سنا کہ کعبے کے معمار ہمارے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تھے جو بت پرست نہ تھے تو انھیں اپنے اس کام میں اور تقویت حاصل ہوئی[۲]۔ ان کی یہ خواہش اور قوی ہوگئی کہ کعبے کو بتوں سے پاک کر دیا جائے، انھوں نے سچے دیوتا کا پرچار اور جھوٹے دیوتا کی پوجا کی مخالفت کو اپنی زندگی کا خاص نصب العین بنا کر مسلسل اپنا کام شروع کیا، عرب کی کاشی مکے میں قریشی پانڈوں کا بہت زور تھا۔ یہ لوگ اپنے پیروں کو کہتے "ود، سواع، یغوث، نسر، اپنے معبودوں کو کبھی نہ چھوڑنا چاہیے۔" (۲۳-۷۱-۱)" (صفحہ ۳۱)

راہل صاحب قرآن مجید کے ذریعے اسلام کا تعارف کرانے چلے تو انھیں اپنے کام کی اہمیت اور اپنی پوزیشن اور ذمے داری کا لحاظ بھی رکھنا چاہیے تھا، ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سورۂ "نوح" میں دیکھ کر یہ بات معلوم کر سکتا ہے کہ ان لفظوں کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں قریش اپنے پیروں کو جوش نہیں دلا رہے ہیں

[۱] یہ عجیب انداز بیان ہے۔ یہ ذہن کو اس طرف لے جاتا ہے کہ یہودیوں سے مخالفت کی وجہ اقتصادی تھی اور عیسائیوں سے چونکہ اقتصادی کشمکش نہیں تھی اس لیے ان کی تعریف کی گئی۔ حالانکہ فرق کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہود نے اسلام دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی جب کہ عیسائیوں کا رویہ ان سے مختلف تھا، پھر قرآن میں جن عیسائیوں کی تعریف کی گئی ہے وہ وہ تھے جو آپ پر ایمان لا چکے تھے جیسا کہ بعد کی آیتوں سے صراحتہً اس کا پتہ چلتا ہے اور ایسے مومن عیسائیوں کی طرح قرآن نے ان یہودیوں کی بھی جا بجا تعریف کی ہے جو اسلام کی دعوت قبول کر چکے تھے۔ مدیر

[۲] یہاں پھر غلط انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کو سچا اور مہا پرش مانتا ہے تو اسے ماننا پڑے گا کہ انھوں نے جو کچھ کہا خدا کی وحی سے کہا اور اگر یہ بات تسلیم نہیں ہے تو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ معاذ اللہ آپ کو جھوٹا اور دغا باز مانے، تیسری صورت ممکن نہیں ہے۔ مدیر

بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفین اپنے عوام کو حضرت نوح کے خلاف بھڑکا رہے ہیں ۔

اس سلسلے میں راہل جی نے ایسی آیتوں کے ترجمے دیے ہیں جن میں قریش کی معجزات طلبی کا ذکر ہے یا قرآن مجید اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار کا ۔

ان تراجم کے بعد لکھتے ہیں ۔

"یہ تو پہلوں کی کہانی ہے" یہ بات برابر قریش کے اعتراض کی صورت سے قرآن میں دہرائی گئی ہے، ان کے استہزا اور سنگ دلانہ برتاؤ سے مہاتما مایوس نہ ہوتے تھے، ان کے قلب میں یہ آسمانی الہام ہوتا تھا کہ تم سے پہلے بھی (لوگوں نے) بہت سے رسولوں کی ہنسی اڑائی، پھر وہ انھیں کے اوپر لوٹ پڑی"۔ (سورہ ۲۱، ۳۴ آیت ۱۲)

اوپر کے بیان سے یہ اچھی طرح معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسلام کو ابتدا ہی سے سب کی مخالفت برداشت کرنی پڑی، اس نے بے خوفی سے دوسروں کے باطل عقائد کی تردید کی تو حتی الامکان سبھی نے اسے نیست و نابود کر دینے کی کوشش کی، واقعہ یہ ہے کہ جس طرح کی مخالفت کی گئی اگر اسی طرح کی ثابت قدمی مسلمانوں اور ان کے پیشواؤں نے نہ دکھائی ہوتی تو کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام اس طرح دنیا کی تاریخ بدل دینے میں کامیاب ہوتا"۔

معلوم ہوتا ہے اس کتاب کے لکھنے کے دوران میں راہل جی پر مختلف کیفیتیں طاری ہوتی رہی ہیں، جہاں وہ صحیح "موڈ" میں رہے ہیں ان کے قلم سے بھی صحیح بات نکلی ہے، اور جہاں ان کا "موڈ" بگڑا ہے ان کا قلم بھی بہک گیا ہے، میں نے ایک جگہ بتایا ہے کہ راہل جی بودھ تھے یا اب بھی ہیں، ان کا ایک رسالہ ہے "ہندوستان میں بودھ دھرم کا عروج و زوال" اس کتابچے میں راہل جی نے ثابت کیا ہے کہ ہندوستان سے بودھ مذہب کا استیصال مسلمان سلاطین کے ہاتھوں سے ہوا۔ ایسی حالت میں راہل جی کے قلم سے قرآن اور صاحبِ قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق میں زیادتی کا ہو جانا قابلِ حیرت نہیں، البتہ ان کے قلم سے جتنا انصاف ہو جائے وہ بس غنیمت ہے ۔

چوتھا باب

راہل جی لکھتے ہیں ۔

آں حضرتؐ اور اُن کے متعلقین "قرآن میں بہت سی آیتیں مہاتما محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان، اور

اسلام میں آں حضرت کی حیثیت وغیرہ کے بارے میں بھی آئی ہیں۔ اپنے دین کے بانیوں کو خدا یا اس کا اوتار بنا ڈالنا دین کے پیروؤں کی فطرت ہے، اس لیے قرآن میں ہے "محمد رسول کے سوا کچھ نہیں" (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ)

اس کے بعد راہل جی نے کچھ آیات کا ترجمہ دیا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"اسلام میں اگرچہ مہاتما محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایشور یا ایشور کے اوتار نہیں مانے گئے پھر بھی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی عزت وعظمت کم ہے، قرآن میں ہے :۔

"تیرے (محمد کے) ساتھ ہاتھ ملانے والے بھگوان کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہیں، (محمد کا ہاتھ نہیں) پرمیشور کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں ہے"۔ (سورہ ۴۸، رکوع ۱، آیت ۱۰) صـ۲۵

اصل آیت صحیح ترجمے کے ساتھ یہ ہے :۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ، فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا (فتح، ع ۱)

جو لوگ (اے نبی!) تم سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے تو جو کوئی اس عہد کو (توڑے) توڑے گا تو اس توڑنے کا وبال اسی کو بھگتنا ہوگا اور جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا اللہ اسے

اس آیت کا تعلق صلح حدیبیہ سے ہے۔ اللہ کا رسول، اللہ کا نائب اور اس کا نمائندہ ہوتا ہے، موقع کی اہمیت کے اعتبار سے بیعت کی اہمیت واضح کی گئی ہے کہ رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے گویا اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ لیکن راہل جی نے اس حقیقت کو واضح نہ کر کے یہ بتانے کے باوجود کہ اسلام میں ایشور کے اوتار کا عقیدہ نہیں ہے اپنے قارئین کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کافی گنجائش پیدا کر دی ہے کہ اوتار سے ملتا جلتا عقیدہ اسلام میں بھی موجود ہے۔

ان تراجم کے بعد راہل جی نے لکھا ہے :۔

"(ہم) یہ کہہ ہی آئے ہیں کہ عرب کے لوگ اس زمانے میں بالکل غیر مہذب تھے، انھیں چھوٹے چھوٹے سے لے کر بڑے بڑے اعمال اور تہذیب سے متعلق طور وطریق بتانے پڑتے تھے، ان کو استاد، شاگرد، باپ بیٹے، بڑے چھوٹے کے تعلق کا بھی زیادہ لحاظ نہ تھا، مہاتما محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرو ماننے کے بعد ان کا یہی خاص تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہے، نہ کہ بھائی بندی، چچا بھتیجا والا پہلا رشتہ، چنانچہ قرآن میں ہے ۔

"محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، وہ خدا کے نبی اور سب نبیوں کے مہر (آخری) ہیں"۔ (س ۳۳، ۵۴، آیت ۶)

راہل جی نے اس آیت کی غلط ترجمانی کی ہے، اس آیت کا تعلق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہے جن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ اس آیت کے ذریعے یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ اس طرح بیٹا بنا لینے سے حضرت زید در اصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے نہیں ہو گئے اور نہ اسلام میں منہ بولے بیٹے کی کوئی حقیقت ہے کہ دینی احکام میں بیٹے کی طرح اس کا لحاظ کیا جائے، رشتے کے اعتبار سے حضرت زید بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسے ہی ہیں جیسے عام مسلمان، لیکن اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے تمام رشتوں داروں کی نفی ہو گئی، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ایمان و اتباع کا تعلق تمام تعلقات سے فائق تھا، اور اپنے بڑے چھوٹے تمام قرابت کے لیے حضور کی اطاعت و پیروی اسی طرح لازم تھی جس طرح تمام مسلمانوں کے لیے، اس بارۂ خاص میں کسی رشتے کا کوئی اثر نہ تھا، چاہے وہ بڑا رشتہ ہو یا چھوٹا۔

مہاتما کی شادیاں

اس سلسلے میں راہل جی لکھتے ہیں:۔

"مہاتما محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پہلی شادی حضرت خدیجہ رضؓ کے ساتھ ۲۵ برس کی عمر میں ہوئی تھی، شادی کے بعد وہ ۲۵ برس تک زندہ رہیں، ہجرت مدینہ سے تین سال قبل ان کی وفات ہوئی، سب سے پہلے وہی اسلام لائیں، کئی وجوہ سے مجبور ہو کر مہاتما کو دس شادیاں اور کرنی پڑیں لیکن یہ سب ۵۳ برس کی عمر کے بعد ہوئیں یہاں پر مہاتما کے پاس زید نام کا ایک غلام رہتا تھا، اس کے مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے اتنا ہی نہیں کیا کہ اسے غلامی سے آزاد کر دیا بلکہ اپنا متبنّیٰ بنا کر اس کی شادی اپنی پھوپھی امیہ کی بیٹی زینب سے کرا دی، زینب کی بڑی بڑی آرزوؤں اور اعلیٰ خاندان کے ابھیمان نے غلامی سے آزاد زید کے ساتھ پٹری نہ جمنے دی، دونوں میں برابر جھگڑا رہنے لگا، بارہا زید نے طلاق دینا چاہی مگر مہاتما نے ہر بار یہ کہہ کر روک دیا کہ "اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے، اور خدا سے ڈر" اگرچہ بار بار کے تجربے نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ ان دونوں کا دل ملنا مشکل ہے پھر بھی طلاق سے پیدا ہونے والے مشکل مسئلے کو دیکھ کر وہ اسی طرح ٹالتے جاتے تھے، زینب اور ان کے بھائی مسلمان ہونے کی وجہ سے قریش کے غیظ و غضب کے مورد بن چکے تھے، اور وہ بھی گھر بار چھوڑ کر مدینے چلے آئے تھے، طلاق کے بعد زینب کا دوسرا عقد ہونا دشوار تھا، مسلمان ہونے کی وجہ سے غیر مسلم سے شادی ہو نہیں سکتی تھی، اور مسلمانوں میں بھی قریشی خاندان کی خصوصیت کے باعث کسی غیر قریشی سے رشتہ ہونا موزوں نہ تھا، اگرچہ اس سے بہت پہلے ہی یہ حکم آ چکا تھا کہ خدا نے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا ہے، یہ محض کپول کلپت (فرضی باتیں) ہے۔"

اس لیے زینب کے ساتھ (آں حضرت) کے شادی کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، لیکن مہاتما اس الزام سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے محمدؐ نے اپنی بہو گھر میں رکھ لی، لیکن اسلام کے پیشوا کی یہ کمزوری بہت خطرناک ہوتی اگر وہ اس تعلیم کو لوگوں کے بدنام کرنے کے ڈر سے چھوڑ دیتے جس کے وہ خود مبلغ تھے، پھر ان کے پیرو کیوں نہ اس تعلیم سے روگرداں ہو جاتے؟ اس لیے قرآن نے حکم دیا ۔

"بھگوان سے ڈر، تو جو کچھ اپنے دل میں چھپانا چاہتا تھا بھگوان اسے ظاہر کرنا چاہتا ہے، تو انسانوں سے ڈرتا ہے، لیکن ایشور ہی سے ڈرنا سب سے بڑھ کر ہے، جب زید کی اس سے خواہش پوری ہوگئی تو ہم (ایشور) نے اسے (زینب کو) تجھ سے بیاہ دیا، یہ اس لیے کہ مسلمانوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں حرج نہ ہو۔" (سورہ ۳۳ع ۵، آیت ۳) ص ۳۷ تا ۳۹

اوپر کے بیان اور آیت کے ترجمے میں جو چھوٹی موٹی کمزوریاں ہیں ان سے قطع نظر کرکے دیکھیے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد کے مسئلے میں راہل جی کی سلامت پسندی کی داد دینی پڑتی ہے اس واقعے کے متعلق ہمارے مفسرین تک نے عجیب عجیب افسوسناک باتیں تفسیروں میں داخل کر دی ہیں اور ان کی بنا پر غیر مسلم مخالفین نے بڑے بڑے پروپیگنڈے کیے ہیں، لیکن راہل جی اس معاملے میں قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے واقعے کو اس کے اصل رنگ میں پیش کیا ہے ۔

ماہنامہ

جلد نمبر ۱۹، ۲۰ | جمادی الاخریٰ و رجب ۱۳۷۷ھ
شمارہ ۶، ۱ | جنوری و فروری ۱۹۵۸ء

زندگی
رامپور

مدیر۔ سید حامد علی

اشارات	مولانا ابواللیث صاحب ندوی، اصلاحی	۳
تفسیر و تبصرہ		
قرآن حکیم اور مرد مومن	مولانا شمس الدین صاحب شمس پیرزادہ	۱۲
احادیث رسولؐ		
صفاتِ الٰہی اور ان کے مقتضیات	سید حامد علی	۲۰
مقالات		
اقتصادی تعبیر تاریخ	جناب فضل الرحمٰن صاحب فریدی، ایم اے	۲۵
سوشلزم — ایک مکمل غیر اسلامی نظریہ	جناب وحید الدین خاں صاحب	۵۰
دو ہندی کتابوں کا تعارف	جناب حافظ امام الدین صاحب رام نگری	۷۰
گیتا — ایک تنقیدی مطالعہ	جناب کوثر یزدانی صاحب	۹۷

○ دائرے کا سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا چندہ اس پرچہ کے ساتھ ختم ہو گیا۔ "زندگی" کو آئندہ جاری رکھنے کے لیے آپ جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر رقم روانہ فرمائیں۔ وی پی روانہ کرنے کا سلسلہ ہم نے بالکل بند کر دیا ہے کہ اس میں آپ کا دس آنے کا نقصان ہے اور وی پی کی واپسی کی شکل میں یہ خسارہ "زندگی" کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے آپ "زندگی" کو جاری نہ رکھنا چاہتے ہوں یا فوراً رقم بھیجنے میں آپ کو کوئی عذر ہو تو براہ کرم ایک کارڈ بھیج کر ہمیں ضرور مطلع فرما دیں۔

زرِ سالانہ، پانچ روپیہ۔ ششماہی ڈھائی روپیہ

رقوم ارسال کرنے اور انتظامی معاملات میں خط و کتابت کرنے کا پتہ:۔ منیجر "زندگی" رامپور۔ یوپی

پاکستانی خریدار مندرجہ ذیل پتہ پر رقوم ارسال کریں اور رسید منی آرڈر ہمیں روانہ فرمائیں: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان، اچھرہ، لاہور

سید حامد علی پرنٹر و پبلشر نے ناظم پریس رام پور میں طبع کرا کے دفتر رسالہ "زندگی" رام پور یوپی سے شائع کیا۔